منیر نیازی: ایک جدید طرزِ احساس کا پیامی

محمد مشہور احمد

شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، موبائل:7417425382

جدید اردو شاعری کو جن شعرا نے فکر وفن کی نئی بلندیوں سے روشناس کرایا، تفکّر و وجدان کی نئی جہتوں سے ہمکنار کیا اور طرزِ احساس کے جدید تر طریقہ ہائے کار کا اختراع کیا ان میں منیر نیازی کا نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ منیر نیازی نے اردو شاعری کو نئے زاویوں، منفرد لہجوں اور اظہار کے اچھوتے قرینوں سے آشنا کیا۔ ان کی شاعری اپنے لہجے کی انفرادیت کے باعث جدید شاعری کی روایت میں ایک الگ پہچان رکھتی ہے۔ خالص فنکارانہ آزادروی ان کے تخلیقی مزاج کو ایک عجیب بے نیازی عطا کرتی ہے اور وہ بھی کچھ اس طرح کہ باطنی احساسات کے اظہار میں منفرد ہونے کے باوجود اپنے بیرونِ ذات سے منحرف نہیں ہوتے بلکہ ان کے یہاں اپنے گردوپیش سے استواری کا ایک قوی رجحان نظر آتا ہے۔ عہدِ جدید کی شاعری میں منیر نیازی کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اردو شاعری کو اس حسیّت سے روشناس کرایا جو ان سے پہلے جدید شعری ادب میں ناپید تھی۔ علوم وفنون اور افکار ونظریات کی طے شدہ بحثیں منیر کی شاعری کا مسئلہ نہیں بنتیں۔ ان کے یہاں سارے جذبوں کے رنگ خالص ہیں، رومان، تحیر، طلسم، ماورائے واقعیت، دہشت، تنہائی، خواب، شام، ہوا وغیرہ سب کی اپنی اپنی شکلیں ہیں۔ منیر نیازی کی شاعری میں کسی جذبے یا خیال کی اکہری پیش کش بہت کم ہے کیوں کہ منیر جذبے کی تفصیل نگاری کے بجائے اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی واردات کا بیان جامعیت کے ساتھ کرتے ہیں اور فطری مظاہر کے بیان کے پس پردہ جذبات کو قوتِ گویائی عطا کرتے ہیں۔ یہی اردو شاعری کی روایت میں ان کی انفرادیت کی ضامن ہے۔

منیر نیازی کا شعری سفر ۱۹۴۸ء سے شروع ہو کر ۲۰۰۶ء تک جاری رہا۔ چھ دہائیوں پر محیط ان کا ادبی سفر اردو شاعری میں اس لیے اہم ہے کیونکہ یہ روایتی راستے پر چل کر طے نہیں ہوئے ہیں بلکہ انھوں نے ایک نئی روایت اور جدید طرزِ احساس کی بنیاد ڈالی ہے۔ ان کا طریقۂ اظہار، ڈکشن اور شعری ماحول وفضا سب ان کی اپنی ایجاد ہیں۔ انھی امتیازات کے باعث ایک ناقد کو منیر نیازی کے فن پر اظہارِ خیال کرنے میں یہ پریشانی ہوتی ہے کہ اسے کس نظریۂ تنقید کے زمرے میں رکھا یا کس ادبی دبستان سے منسلک کیا جائے۔ منیر نیازی کے شعری رویےّ کسی مخصوص پیرایۂ اظہار یا طرزِ احساس کے پروردہ نہیں بلکہ غزلوں اور نظموں کی لفظیات، تراکیب اور علامات واستعارات کو منیر نیازی نے اپنے اردگرد سے خود اخذ کیے ہیں۔ منیر نیازی کے شعری احساس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی طے شدہ ضابطے سے قطعِ نظر خود ان کے اختراع کردہ اصول وضوابط کا سہارا لینا ناگزیر ہے، بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

> ''منیر نیازی دورِ حاضر کا ایسا صاحبِ مزاج شاعر ہے جس کے خرامِ فن کو ضابطوں اور اصولوں کی مٹھی میں بند کر کے دیکھنا دکھانا مشکل ہے۔ خواہ یہ ضابطے یا اصول نئے ہوں یا پرانے۔ ہاں اگر اس کے فن کو سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے ضابطوں سے کام لینا ہی پڑے تو پھر یہ ضابطے خود اسی کے فنی رویوں سے اخذ کرنے ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی شاعری، طرزِ احساس اور فنی برتاؤ ہر لحاظ سے اردو شاعری کے ماضی اور حال دونوں سے اتنی مختلف ہے کہ نقد ونظر کے مروجہ اصول اس کی پرکھ کے لیے زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتے ''

(''منیر نیازی نئی رت کا شاعر'' مصنف فرمان فتح پوری، ص:۱۳۱)

معاملاتِ حسن وعشق کا بیان غزل کا بنیادی موضوع ہے، جسے کلاسیکی دور سے عہدِ جدید تک برابر برتا گیا ہے۔ منیر نیازی کی شاعری میں یہ موضوع روایت کے پیرایے میں بھی ملتا ہے اور جدید شاعری کی مخصوص ذہنیت سے یگانہ بھی۔ ان کی کائنات حسنِ فطرت کے دل نشین رنگوں اور محبوب کے حسن وجمال سے ترتیب پاتی ہے۔ ان کی نگاہ حسن شناس ہے اور انفرادیت یہ کہ انھوں نے اپنی زندگی میں نہ صرف حسن سے پیار کیا بلکہ حسن کی بوقلمونی کو پھیلانے کے لیے شاعری کی۔ ان کی شاعری حسن کی ایسی جلوہ گاہ ہے جس میں فطرت کی رعنائی اور لطافت صاف جھلکتی ہے۔ وہ اپنی

چشمِ بصارت وبصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسی حسّی تمثالیں پیش کرتے ہیں جو حسنِ مجسم کا نظّارہ پیش کرتی ہیں۔ ان کا احساسِ جمال تخلیقی قوّت سے بھرپور ہے جو قاری کو صبح کی تروتازگی کے ساتھ شام کی اداسی اور رنگ ونور کے جزیروں کے سفر میں عطر آگیں احساس عطا کرتا ہے:

شام جھکی تھی بحر پہ پاگل ہوکر رنگ سے
یا تصویر تھی خواب میں میرے کسی خیال کی

(غزلیاتِ منیر، ص:۴۰۷)

سبزۂ نورستہ کی خوشبو تھی ساحل پر منیرؔ
بادلوں کا رنگ چھتری کی طرح سر پر کھلا

(غزلیاتِ منیر، ص:۳۸۱)

طاؤس کی آواز سے روشن ہے شبِ تار
صد نغمۂ ناہید یہ ساون کی جھڑی ہے

(غزلیاتِ منیر، ص:۹۳)

نیلے رنگ میں ڈوبی آنکھیں کھلی پڑی تھیں سبزے پر
عکس پڑا تھا آسمان کا شاید اس پیمانے میں

(غزلیاتِ منیر، ص:۳۹۹)

یہ اشعار حسّی پیکر تراشی کی عمدہ اور پُر جمال مثالیں ہیں۔ پہلے شعر میں شام کا بحر پر پاگل ہوکر جھکنا، نادر اظہار ہے جو شاعر کے احساسِ جمال اور حسن دوستی کی حامل بصری تمثال ہے۔ دوسرے شعر میں ساحل پر سبزے کی خوشبو اور بادلوں کے رنگ سے حسن کے جاں سوز منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ تیسرے شعر میں شاعر نے سمعی پیکر سے بصری تمثال تراشنے کی کوشش کی ہے۔ طاؤس کی آواز سمعی پیکر ہے جس سے شبِ تار کا بصری منظر روشن وتاباں ہوتا ہے اور ساون کی جھڑی کا بصری منظر سمعی تمثال گری کرتا ہے۔

عشق غزل کا سدا بہار موضوع ہے۔ جذبۂ عشق کی کسک اور خلش غزل میں چاشنی اور نکھار پیدا کرتی ہے۔ منیر نیازی نے غزل میں عشق کے ایسے تجربات اور وارداتِ قلبی کا اظہار کیا ہے جس میں سوز ہے اور لذت بھی۔ نئے لب و لہجے کی کھنک ہے اور پرانا سوزِ دروں بھی۔ ان کے نزدیک عشق قوّتِ حیات ہے۔ ایسی قدر ہے جو توانائی اور زندگی بخشتی ہے۔ یہ جذبہ ہوائے دشتِ باراں کی مانند تروتازگی عطا کرتا ہے چنانچہ رومان وعشق نت نئے خیالات پیدا کرنے کا وسیلہ بنتے ہیں:

دشتِ باراں کی ہوا سے پھر ہرا سا ہوگیا
میں فقط خوشبو سے اس کی تازہ دم سا ہوگیا

اس کے ہونے سے ہوا پیدا خیالِ جاں فزا
جیسے اک مردہ زمیں میں باغ پیدا ہوگیا

(غزلیاتِ منیر، ص:۴۸۱)

منیر نیازی کے یہاں عشق سے وابستہ تلازمات روایت سے منسلک ہوتے ہوئے بھی انفرادی شان رکھتے ہیں۔ عاشق کا کردار روایتی عاشق کی طرح محبوب کی دلکش اداؤں کا اسیر ہے لیکن اَن کہے سوالوں کی خلش عاشق کو پریشان رکھتی ہے۔ عاشق محبوب کے حضور سرِ تسلیم خم کیے نظر آتا ہے، محبوب کی بے توجّہی اور بے مروّتی کا گلہ بھی کرتا ہے۔ ایسا محبوب جس کے نزدیک عاشق کا دل بھی ایک کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا:

رات یوں تو جو ادا تیری تھی محبوبانہ تھی
پھر بھی کیا شے اک تری وہ چشمکِ بے گانہ تھی

کیا فراقِ یار کے قصّے پہ آنکھیں نم کریں
دل سے شعلے کا مقدّر صحبتِ دریا نہ تھی

(غزلیاتِ منیر، ص:۸۷)

مجھ سے محبت بھی ہے اس کو لیکن یہ دستور ہے اس کا
غیر سے ملتا ہے ہنس ہنس کر مجھ سے ہی شرماتا ہے

(غزلیاتِ منیر، ص:۲۰۷)

دیکھ کے مجھ کو غور سے وہ چپ سے ہوگئے
دل میں خلش ہے آج تک اس اَن کہے سوال کی

(غزلیاتِ منیر، ص:۴۰۷)

حسن وعشق کے روایتی دائرے کو تخلیقی جہت عطا کرنے میں منیر نیازی کی انانیت اور نرگسیّت بہت اہم رول ادا کرتی ہے جو ان کے مزاج کا بنیادی جوہر ہے۔ یہی خود مرکزیت ان کی شاعری میں انفرادیت پیدا کرتی ہے۔ عاشق خود پسند بھی ہے جو اپنی انانیت میں محبوب کی بے پروائی کا جواب بے پروائی سے دینا چاہتا ہے اور دیتا بھی ہے لیکن شامِ فراق آتے ہی اس کی انانیت جذبۂ عشق کے سیلِ رواں میں ڈوب جاتی ہے:

اگر روک لیتے تو جاتا نہ وہ
مگر ہم بھی اپنی ہواؤں میں تھے

(غزلیاتِ منیر، ص:۲۱۳)

روکا انا نے کاوشِ بے سود سے مجھے
اس بت کو اپنے حال سنانے نہیں دیا

(غزلیاتِ منیر، ص:۶۷۱)

شامِ فراق آئی تو دل ڈوبنے لگا
ہم کو بھی اپنے آپ پہ کتنا غرور تھا

(غزلیاتِ منیر، ص:۲۱۱)

منیر نیازی کی منفرد شعری کائنات میں نشاطیہ اور حزنیہ رنگ انفرادی طور پر بھی موجود ہیں اور ایک دوسرے کی باہمی رفاقت سے ان کی شاعری کا رنگ بھی متعین کرتے ہیں۔ احساسِ کرب ان کی شاعری میں کربِ ذات سے غمِ زیست کا عنوان بنتا ہے اور اس غم کی مختلف صورتیں اور جہتیں ہیں۔ ہجرت وفسادات کے نتیجے میں پیدا ہونے والا ملال اور یادِ رفتگاں شدید احساسِ تنہائی میں مبتلا کرتی ہے، اس سے سفر اور مسافرت کے استعارے جنم لیتے ہیں۔ احساسِ ملال کی پہلی شکل ان کی شاعری میں شعری روایت کے پس منظر میں اجاگر ہوتی ہے۔ محبوب کے ناز و ادا اور عشوہ وغمزہ شاعر کو ہجر کی تپش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ہجر کی کیفیت بذاتِ خود شاعر کے لیے آنسوؤں کا گھر ہے، لیکن اگر اس میں محبوب کی بے وفائی بھی شامل ہو جائے تو ''اشکِ رواں کی نہر'' جیسی توصیفی ترکیب تشکیل پاتی ہے:

اشکِ رواں کی نہر ہے اور ہم ہیں دوستو
اس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو

(غزلیاتِ منیر، ص:۴۴)

عشق کے شجر اس جا آنسوؤں سے اگتے ہیں
حسن نے زمانے کو غم کا بَن بنا دیا
بے خیال ہستی کو کام میں لگا دیا
ہجر کی اداسی نے شام کو سجا دیا

(غزلیاتِ منیر، ص:۶۰۵)

ہجر وفراق کی کیفیت جو گردشِ زمانہ کی وجہ سے پیدا ہوئی اکثر جدید شعرا کے یہاں محسوس کی جا سکتی ہے، جو شدّت اختیار کر کے زندگی کے اندر منفی رجحانات کو فروغ دینے کا باعث بنی۔ جب انسان اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے تو اس کی ذات میں منفی رجحانات کا سرایت کر جانا لازمی نتیجہ ہے اور پھر خوف، نا امیدی، مایوسی، اکتاہٹ اور دہشت وغیرہ کا احساس شدید تر ہو جاتا ہے۔ جدید شعرا جب اس صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں تو ان کے یہاں زندگی کے مثبت پہلو بہت کم دکھائی دیتے ہیں لہٰذا انسان تنہائی کے عالم میں زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگتا ہے لیکن منیر نیازی کی شاعری جدیدیت کے بعض رخوں کی حامل ہوتے ہوئے بھی زندگی کے منفی رویوں کی عکاسی نہیں کرتی۔ ہاں کہیں کہیں اس طرح کا لمحاتی احساس ان کے یہاں ضرور ابھرتا ہے لیکن جب یہ احساس فکر وتامل کی منزلوں سے گزرتا ہوا کیفِ درونی بن کر شعر میں نمودار ہوتا ہے تو مثبت رویّے میں بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا منیر نیازی کی شاعری کا تعلق جدیدیت کے ایسے طرزِ احساس سے ہے جو آج کی زندگی اور اس کے اقدار کی نفی کرنے والے محرّکات اور اس کی شدّت و جبریت کو اہمیت تو دیتا ہے لیکن یہ طرزِ احساس اس قسم کا اندھا کنواں یا گنبدِ بے در نہیں جو روشنی اور ہوا سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا ہو۔ اس محرومی سے بچ نکلنے کا سبب وجودیت پرستوں کے عقیدے کے برعکس منیر نیازی کی اپنی ذات سے ماورا ایسی مخفی قوّت کا عقیدہ ہے جو مصائب کے بعد انسان کو بشارت کی ضمانت دیتی ہے، یاس کے اندھیرے میں امید کی کرن پھونکتی ہے اور زندگی کی بے معنویت کو تازہ معنویت عطا کرتی ہے:

ماند پڑ جاتی ہے جب اشعار پر ہر روشنی
گھپ اندھیرے جنگلوں میں راستہ دیتا ہے تو
دیر تک رکھتا ہے تو ارض وسماں کو منتظر
پھر انھیں ویرانیوں میں گل کھلا دیتا ہے تو

(کلیاتِ منیر، ص:۵)

آئے گی پھر بہار اس شہر میں منؔیر
تقدیر اس نگر کی فقط خار وخس نہیں

(غزلیاتِ منیر، ص:۳۴۶)

ہم کو کھلتے دیکھنا ہے پھر خیابانِ بہار
شہر کے اطراف کی مٹی میں سونا ہے ابھی

(غزلیاتِ منیر، ص:۳۱۸)

دراصل منیر نیازی کی شاعری جہاں روایت سے منسلک ہونے کا پتہ دیتی ہے وہیں ان کا شاداب تخیّل اور قوتِ اختراع ان کی غزل میں ایسی فضا تیار کرتے ہیں اور لفظیات کا ایسا ڈھانچہ بناتے ہیں جس سے ان کی غزل جدید ادب میں انفرادی تشخص قائم کرتی ہے۔ منیر نیازی کی جدت محض پرانے خیال کو نئے زاویے سے پیش کرنے کا نام نہیں بلکہ پرانے خیال میں اپنے نرالے طرزِ احساس سے نئے نئے معانی دریافت کرنے کا نام ہے۔ منیر نیازی کی شاعری سیدھے سادے سچّے جذبات، حسّی تجربات اور ماضی کی خوشگوار یادوں کی شاعری ہے۔ اس شاعری میں بعض جذبے اور بعض حسّی تجربے ایسے بھی ہیں جنھیں اردو شاعری میں منیر نیازی کی دین کہا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی منیر نیازی کی شاعری میں بہت سے تجربے ایسے ہیں جو ان معنوں میں نئے نہ سہی کہ اردو شاعری میں وہ پہلی

بارمحسوس کیے گئے لیکن جدید دور کی اردو شاعری میں جگہ پانے اور حسین تر تخلیقی سطح پر بروئے کار آنے کی حیثیت سے کم از کم شہری زندگی کی پروردہ ذہنیت کے لیے نئے ضرور ہیں۔ مثلاً یہ اشعار:

جگمگا اٹھا اندھیرے میں مری آہٹ سے وہ
یہ عجب اس بت کا میری آنکھ پر جوہر کھلا

(کلیاتِ منیر، ص:۵۵۳)

اسی کے لطف سے مرنے سے خوف آتا ہے
اسی کے ڈر سے جینا محال بھی ہے مجھے

(کلیاتِ منیر، ص:۱۶۲)

ہے شوقِ انجمن آرائی حسن کو بھی مگر
مجال اس کو غمِ رونمائی دیتا نہیں

(کلیاتِ منیر، ص:۳۲۹)

زمین دور سے تارا دکھائی دیتی ہے
رکا ہے اس پہ قمر چشمِ سیر بیں کی طرح

(کلیاتِ منیر، ص:۴۴۶)

منیر نیازی کی شعری انفرادیت ان کے اسلوب اور طرزِ ادا کی وجہ سے بھی ہے جس کا تعلق ان کے زرخیز تخیّل اور عمیق مشاہدے کے ساتھ ہے۔ رومانوی لب ولہجہ، عصری وسیاسی شعور اور تجسس ان کی شاعری میں اک جہانِ تازہ کی بنیاد رکھتا ہے جس کے نتیجے میں ان کا علامتی واستعاراتی نظام ظہور پذیر ہوتا ہے جو پوری طرح خود کفیل ہے۔ وہ علامتوں کے ذریعہ معانی کا ایک لامتناہی سلسلہ تخلیق کرتے ہیں جس میں ذات سے سماج تک کے تمام رنگ جلوہ گر ہیں۔ انہوں نے ماحول کی کرب ناکی، اخلاقی ومعاشرتی اقدار کی شکست وریخت، ۱۹۴۷ء کے فسادات اور تقسیم کے بعد ہجرت کے اندوہ ناک واقعات کے لیے نئی علامتیں اور استعارے وضع کیے۔ منیر نیازی کے معنیاتی نظام میں علامتوں اور استعاروں کا استعمال انسانی رویوں اور معاشرے سے وابستہ اور متصادم ہوکر ان کی شاعری میں فکری اساس بنتا ہے۔ ان علامتوں اور استعاروں میں شہر، سفر، جنگل، دشت، شجر، آئینہ اور خواب وغیرہ شامل ہیں جن کے ساتھ معانی کی متنوع جہات وابستہ ہیں۔

منیر نیازی کی سب سے بڑی علامت شہر ہے۔ وہ زندگی کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل کو جوں کا توں بیان کرنے کے بجائے شہر کی علامت کے ساتھ لگا دیتے ہیں اور شہروں کا متمدن اور سائنسی ماحول سماجی سطح پر زوال کی جانب سفر کرتا نظر آتا ہے۔ اقدار کی شکست وریخت، بے حسی، بے یقینی اور انتشار کی لہر پورے شہر کو آسیب زدہ کی ہوئی نظر آتی ہے۔ شہر بہ ظاہر تو پُر رونق نظر آتے ہیں لیکن اخلاقی سطح پر بے حسی کی چادر اوڑھے بے زبانی کو شیوۂ حیات بنا لیتے ہیں۔ منیر نیازی کی شاعری میں شہر کی علامت جغرافیائی حدود کو توڑ کر آفاقی شناخت قائم کرتی ہے:

خوف دیتا ہے یہاں ابر میں تنہا ہونا
شہر در بند میں دیواروں کی کثرت دیکھو

(غزلیاتِ منیر، ص:۳۸۹)

زور پیدا جسم و جاں کی ناتوانی سے ہوا
شور شہروں میں مسلسل بے زبانی سے ہوا

(غزلیاتِ منیر، ص:۵۷۹)

اس دیارِ چشم ولب میں دل کی یہ تنہائیاں
ان بھرے شہروں میں بھی شامِ غریباں دیکھیے

(غزلیاتِ منیر، ص:۱۱۷)

منیر نیازی کی شاعری میں آسیب وطلسم سے مملو فضا کی تخلیق دراصل ان کے داخلی گھٹن کی علامت ہے جو غیر صحت مند سیاسی نظام اور معاشرتی ابتذال کی وجہ سے پیدا ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس جیسی مہیب فضا کی تخلیق کاری کا ایک محرک شاعر کی تنہائی بھی ہے۔ یہ تنہائی اس مادہ پرست معاشرتی نظام اور سائنسی طرزِ حیات کی دین ہے جس نے انسان کے باطنی تحفظات کو سلب کر دیا ہے۔ مادیت کا جادو لوگوں کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ منیر نیازی کی یہ عصری حسّیت ان کی شاعری کی پراسراریت، آسیبیت سے مملو علامت نگاری اور طلسماتی دنیا کی تخلیق کی صورت میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ مجید امجد منیر نیازی کی پراسرار آسیبیت اور طلسمات سے بھرپور فضا کی تخلیق کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے سب سے زیادہ اس کی شاعری کی وہ فضا پسند ہے جو فضا اس کی زندگی کے واقعات اس کے ذاتی محسوسات اور اس کی شخصیت کی طبعی افتاد سے ابھرتی ہے۔ انھوں نے جو لکھا ہے جذبے کی صداقت کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے احساسات کسی عالم بالا کی چیز نہیں ہیں بلکہ اس کی زندگی کی سطح پر کھیلنے والی لہریں ہیں۔''

(مجید امجد، دیباچہ جنگل میں دھنک، ص:۷)

منیر نیازی کی دوسری اہم علامت سفر ہے جو معنویت کے اعتبار سے بھرپور حیثیت میں اپنا اظہار کرتی ہے۔ سفر کا احساس ان کی شاعری میں تحرّک کے احساس سے مملو ہے۔ نفسیاتی پس منظر میں اس علامت کا جواز

ان کی اپنی زندگی سے ملتا ہے جس میں مراجعت کے عمل نے ان کی سوچ کو اس محور پر ڈال دیا۔ منیر نیازی نے اس سفر کو محض ذاتی سطح پر محدود نہیں رہنے دیا بلکہ اسے کثیر الجہاتی معنویت کا حامل بنا دیا:

سفر میں ہیں مسلسل کہیں آباد بھی ہوں گے
ہوئے ناشاد جو اتنے تو ہم دلشاد بھی ہوں گے
(غزلیاتِ منیر، ص:۴۳۲)

تھکن سفر کی بدن شل سا کر گئی ہے منیر
برا کیا جو سفر میں قیام کر بیٹھا
(غزلیاتِ منیر، ص:۳۶۷)

بہت قیام کی خواہش سفر میں آتی ہے
طلسم شامِ غریباں رہائی دیتا نہیں
(غزلیاتِ منیر، ص:۲۶۳)

اس طرف آغاز کرتے ہیں سفر کا اے منیر
جس طرف ہے شہرِ جاناں اور خوشی کا راستہ
(غزلیاتِ منیر، ص:۴۳۱)

شہر و سفر کے علاوہ دشت و صحرا کی علامت جو کہ فی الواقع شہر اور سفر کی ہی توسیعی صورت ہے پُر اسراریت، تباہی، دشت نوردی اور مصائب و آلام کی علامت کے طور پر منیر نیازی کی شاعری میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ جنگل کا تلازمہ بھی ان کی شاعری میں بطور علامت استعمال ہو کر ایک انوکھی و پُر اسرار فضا اور تشکیک و بے یقینی کا مظہر بن کر سامنے آتا ہے:

یوں تو ہے رنگ زرد مگر ہونٹ لال ہیں
صحرا کی وسعتوں میں کہیں گلستاں تو ہے
(غزلیاتِ منیر، ص:۲۸۶)

سوادِ شہر پر ہی رُک گیا تھا میں تو منیر
اور ایک دشتِ بلا میرے گھر کی راہ میں تھا
(غزلیاتِ منیر، ص:۲۸۸)

جنگلوں میں کوئی پیچھے سے بُلائے تو منیر
مُڑ کے رستے میں کبھی اس کی طرف مت دیکھنا
(غزلیاتِ منیر، ص،۳۸۹)

غرض یہ کہ منیر نیازی کی شاعری میں علامتی پیکر اپنی پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ غزلوں سے قطع نظر ان کی نظموں میں علامات و استعارات کی فراوانی ان کے اختراعی تفکّر و وجدان کو زیادہ بامعنی طریقے سے قاری کو متوجّہ کرتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ علامتی پیرایۂ اظہار کے ذریعہ اپنی نظموں میں منیر نیازی ایسی فضا تخلیق کرتے ہیں جو خوف، تحیّر و تجسّس اور اور آسیبیت سے مملو طلسمِ ہوشربا کی سی کیفیت رکھتی ہے۔ ان علامتوں سے قطع نظر منیر نیازی کی شاعری میں استعمال ہونے والی علامتیں، عورت، ہندو دیومالا، ہندو اساطیر جیسے رادھا کرشنا، کاشی، کام دیو وغیرہ کو محیط ہیں، مزید برآں رنگوں کا مختلف کیفیات کے اظہار کا ذریعہ بنانا منیر نیازی کی شاعری بالخصوص نظمیہ شاعری کا منفرد کمال ہے جنھیں انھوں نے اپنے تخیّل و وجدان کی مدد سے علامتی پیرایۂ اظہار بخشا ہے۔

مندرجہ بالا موضوعاتی اور علامتی تجزیے کے بعد منیر نیازی کی شاعری کا جو منظر نامہ سامنے آتا ہے اس کے ضمن میں ہم منیر نیازی کو نہ تو محض شاعر رومان کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی محض روایت کا بے پروا مقلد۔ منیر نیازی ایک منفرد شاعر ہیں اور یہ انفرادیت موضوعات کے تنوع، نرالی شعری فضا، لفظیاتی تجدد پرستی اور آسیبیت، پراسراریت سے مملو تمثالوں کی پروردہ ہے، منیر نیازی کی شاعری کی اپنی ایک روایت ہے اور اس روایت میں اس کی شعری فضا، داخلی واردات کا فطرت سے مکالمہ، زمین سے محبت، ماضی اور مستقبل کا حسین امتزاج، ہجرت اور فسادات کی حدوں میں اداسی، ہندی اساطیر و دیومالائیں اور مابعد الطبیعیاتی رنگ شامل ہیں۔ منیر نیازی کا انداز بیان رومانوی ہے اور یہ رومانویت بار بار مظاہرِ فطرت کی انوکھی پیش کش میں سامنے آتی ہے اور کہیں کہیں مظاہر فطرت کے حسن سے حسن انسانی کے تقابل کا اظہار بھی ملتا ہے اور یہی منیر نیازی کی انفرادیت کی ضامن ہے۔ ○○

قابل توجہ

''ایوانِ اردو'' اور ''بچوں کا ماہنامہ امنگ'' میں مضامین اور دیگر نگارشات بھیجنے والے قلمکار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے قلمی نام کے ساتھ ساتھ اپنے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات، اپنا بینک پاس بک میں درج نام، مکمل پتہ اور فون نمبر انگریزی میں ضرور لکھیں۔ (ادارہ)